رشتے والی

محترم و مکرم مدیر
السلام علیکم!
پہلی بار ایک سچ بیانی کے ساتھ حاضر ہوئی ہوں۔ سبق حاصل کرنے کے لیے میں اسے سرگزشت میں بھیج رہی ہوں کیونکہ یہ مسئلہ وبا کی طرح پھیل رہا ہے۔

افراح شاہینہ کرن
(راولپنڈی)

یوں تو کہانیاں آپ نے بہت سی پڑھی اور سنی ہوں گی۔ آج میں بھی ایک کہانی سنانے جا رہی ہوں لیکن یہ کہانی میری نہیں مہرالنسا کی ہے بلکہ گھر، گھر کی ہے۔ ہر اس گھر کی ہے جس گھر میں جوان لڑکیوں پر نظر نہیں رکھی جاتی اور اپنے گھر میں پٹرول کے کین کے پاس جلتا چراغ چھوڑ کر دوسروں کے گھروں میں جھانکا تاکی کی جاتی ہے۔ پتا نہیں کیوں لوگ دوسروں پر انگلیاں اٹھانے سے قبل یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی ایک انگلی سامنے والے پر اٹھتی ہے تو تین انگلیاں انہی پر اٹھی ہوتی ہیں۔ مہرالنساء کے ساتھ بھی یہی ہوا جسے میں کہانی کے انداز میں سنا رہی ہوں تاکہ

www.zemtime.com

پڑھنے والے کو کہانی کا مزہ آئے۔ تو چلیے ہم فرحانہ بیگم کے گھر کی طرف چلتے ہیں۔

''اچھا پھر، رشتے کا کیا بنا؟'' آدھا گھنٹا پورے محلے کی تازہ نشریات سننے کے بعد جب فرحانہ تازہ دم ہوئی تو یک لخت جوان بیٹی کے رشتے کا خیال آیا۔

''رشتہ بہت اچھا ہے، لڑکا اکلوتا ہے۔'' اتنا کہہ کر مٹھی میں بھری نمکو کو منہ میں اس طرح ڈالنے لگیں جیسے پائپ سے پانی بالٹی میں جا رہا ہو۔ اس کے بعد شڑاپ شڑاپ چائے کا گھونٹ حلق میں اتارا۔

''ہاں ہاں، اب آگے بھی بتاؤ، یہ تو تم نے پہلے بھی بتایا تھا۔'' فرحانہ سے صبر نہ ہوا تو دوبارہ بے چینی سے پوچھنے لگیں۔

''چھ بہنیں ہیں، دو شادی شدہ ہیں، باقی کنواریاں، سب سے چھوٹی پانچویں میں پڑھتی ہے۔'' دو بسکٹ بیک وقت منہ میں ڈالے، ساتھ پھر سے چائے کا گھونٹ اور پھر تفصیل۔

''اس کے علاوہ اپنا گھر ہے، ماشاء اللہ سے نوکری کرتا ہے۔''

''یہ کیسا رشتہ ہے؟ تم نے اکلوتا لڑکا کہا تھا مگر یہاں تو بہنوں کی پوری فوج ہے۔ ان کو بیاہتے بیاہتے یہ بوڑھا ہو جائے گا۔''

''نا تو..... اس میں برائی کیا ہے۔ تم نے اکلوتے رشتے کا ہی کہا تھا، اب ہر جگہ سب کچھ تو نہیں مل سکتا۔'' باجی حمیدہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے اب کی بار کیک کا آخری ٹکڑا بھی منہ کی طرف بڑھایا۔

''اُف، پیٹ ہے کہ خندق۔'' فرحانہ صرف سوچ ہی سکیں ورنہ اگر باجی حمیدہ کو پتا چل جاتا تو خیر نہیں تھی۔

''اچھا! لڑکے کی تنخواہ کتنی ہے؟'' لڑکی کی ماں تھیں، سو کرید کرید کر سوال کرنے لگیں، پر آگے بھی حمیدہ تھی جو ایک بار میں جواب دے دے، ناممکن۔

''تنخواہ تو بہت اچھی ہے، بڑھنے کے بھی چانسز ہیں۔'' گول مول جواب۔

''میں پوچھ رہی ہوں کہ تنخواہ کتنی ہے؟'' وہ پھر سے زور دینے لگیں، لڑکے کا بائیو ڈیٹا سننے کے بعد اب ایک آخری اُمید تنخواہ ہی تھی، سو سوال تو بنتا تھا۔

''ہم، اچھا کیا یاد دلا دیا، وہ اگلی بار پوچھ کر بتاؤں گی۔'' چائے کے آخری گھونٹ کو حلق میں اتارتی آئیں بائیں شائیں کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

فرحانہ کو غصہ تو بہت آیا پر جانتی تھیں کہ باجی حمیدہ کے آگے بولنا گویا فساد کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ محلے بھر میں باجی اپنی چرب زبانی کی وجہ سے مشہور تھیں، کوئی انہیں منہ لگانا پسند نہ کرتا اگر ان کے پاس پورے محلے کی خبریں اور کم پیسوں میں رشتے کروانے کی صلاحیت نہ ہوتی، اور ان دونوں صلاحیتوں کے کمال اب فرحانہ دیکھ چکی تھی سو مستقبل میں باجی کی ''خدمات'' لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''بڑی تیز ہے یہ باجی حمیدہ، رشتے کی ادھوری معلومات دے کر چلی جاتی ہے اور پھر کوئی نہ کوئی بات اگلے ہفتے پر چھوڑ کر اپنی چائے پانی کے خرچے پورے کرتی ہے پر اب میں نے بھی اسے ایک روپیا نہیں دینا۔''

دل ہی دل میں سوچتے فرحانہ نے حمیدہ کی طرف دیکھا۔

''اچھا باجی، اللہ حافظ۔'' بظاہر مسکراہٹ مگر دل میں گالیاں دیتے فرحانہ نے الوداع کیا جواب ڈکار مارنے کے چکروں میں تھیں۔

☆☆☆

تیز دھوپ اور تنور کی مانند تپتی چھت۔ مہرالنساء نے قدم ذرا سے آگے بڑھائے تو سورج کی تمازت سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر وہ دائیں طرف ہو گئی۔ ساتھ والے گھر کی ٹیرس پر کھڑا زید اسی کا منتظر تھا۔

''شکر ہے آپ آ گئیں ورنہ دیدار یار کی چاہ میں ترستی ہماری دیدوں کی تو بینائی ہی چلی جانی تھی۔'' شائستگی سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''ایسے تو نہ کہیں زید۔'' سفید چھوٹی قمیص پر سفید پٹیالہ شلوار پہنے پرنٹڈ دوپٹے کا ایک کونا لے کر ایک ادا سے شرمانے کی کوشش کرتے وہ خود کو انارکلی اور زید کو شہزادہ سلیم سمجھ رہی تھی۔

''ارے واہ میری شہزادی، آپ کے لبوں سے جب جب میرا نام نکلتا ہے تو اپنا آپ معتبر محسوس ہوتا ہے۔'' ڈائیلاگ مارنا تو کوئی اس سے سیکھتا۔

ذرا توقف کے بعد وہ رکا اور اب اس کے سراپے اور خوبصورتی کی تعریف میں زمین آسمان ایک کرنے لگا۔

''آج تو آپ بالکل سفید پری لگ رہی ہیں۔'' وہ روزانہ ایک نئے انداز سے اس کے کپڑوں کی تعریف کرتا۔

مہرالنسا کو خوشی ہوئی۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو اس نے ایک ٹی وی اداکارہ کا سوٹ دیکھا تھا۔ اماں سے ضد کر کے سفید شلوار قمیص سلوائی ساتھ میں دوسرے سوٹ کا رنگین دوپٹا

www.zemtime.com

لے لیا۔ چھت پر آنے سے پہلے اپنی تسلی کے لیے ایک بار پھر سے اداکارہ کی تصویر دیکھ لی تھی۔ کہیں کوئی کمی بیشی نہ تھی، دل کو تسلی ہوئی، ساتھ میں لپ اسٹک اور کاجل بھی لگالیا۔

''شکریہ جناب۔'' مغلیہ دور کی انارکلی کی طرح پیشانی تک ہاتھ لاتے اسے گویا سلام پیش کیا۔

دونوں کے بات کرنے کا انداز روایتی لیلیٰ مجنوں سے ہٹ کر تھا۔ دونوں بے حد احترام سے آپ جناب کے ذریعے ایک دوسرے کو پکارتے۔ بقول زید کے ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں یہ الگ بات کہ یہ ادب وہ صرف ایک دوسرے کی محبت کا کرتے تھے، باقی محبتیں گئیں بھاڑ میں۔

تھوڑی دیر تک اس سے باتیں کرکے اپنے حسن کا خراج خوبصورت انگوٹھی کی صورت لیتے وہ نیچے آگئی۔

اس کی اور زید کی ڈیڑھ ہفتہ قبل ہی چھت پر ملاقات ہوئی تھی اور اس ڈیڑھ ہفتہ میں ہی بات اتنی آگے بڑھ گئی تھی کہ اسے اس کے بغیر جینا محال لگتا تھا۔ روز روز ملاقات کے لیے انہوں نے تپتی دوپہر کا انتخاب کیا تھا۔ گوکہ یہ بات زید کے شاعرانہ مزاج کو گوارا نہ تھی مگر محلے والوں سے عزت افزائی کروانے سے بہتر تھا کہ ایسے وقت چھت پر آیا جائے جب کوئی آنے کا نام نہ لے۔

☆☆☆

''بلکہ اس ماہم کی ماں تو میرے پیروں بھی پڑی کہ اس کا رشتہ کروا دو لیکن میں نے نہیں کروایا۔'' تیزی سے پکوڑا منہ میں ٹھونستے حمیدہ ایک بار پھر زور و شور سے براہِ راست نشریات میں مصروف تھیں۔

آج موسم کچھ خنک تھا، کل رات سے ہونے والی بارش صبح تک برقرار رہی سو موسم کی مناسبت سے نادیہ نے پکوڑے ہی رکھے تھے۔

''کروا دیتی، غلطی بھی تو بچوں سے ہی ہوتی ہے۔''

''نہ بہن نہ، ہم خاندانی لوگ ہیں اور رشتے بھی خاندانی لوگوں کے ہی کرواتے ہیں اور بچی نہیں ہے وہ، پورے اٹھارہ سال کی تھی اس وقت۔'' فخر سے سینہ چوڑا کرتے وہ ایک بار پھر سے گویا ہوئیں۔ لو بھلا، اب انہیں کون یاد کروائے کہ خاندانی لوگ دوسروں کی پگڑی بھی نہیں اچھالتے۔

''لیکن اب تو اس بات کو چار سال ہو گئے ہیں۔ کیا ابھی تک کہیں رشتہ نہیں ہوا اس کا؟'' نادیہ نے دکھ سے پوچھا۔ وہ پڑھی لکھی تھیں اور آج کل قرآن پاک کی تفسیر بھی پڑھ رہی تھیں سو انہیں احساس تھا۔

''نہیں بھئی، ایسیوں کو کون پوچھتا ہے، بندہ پوچھے ایسا کون سا جوانی کا خمار چڑھا تھا کہ اندھا دھند اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ وہ تو دوسری گلی کے بھائی ایاز نے اسے دیکھ لیا تھا ورنہ وہ ماں باپ اور اس محلے کے سر میں خاک ڈلوا کر ہی لوٹتی۔''

پلیٹ میں دو پکوڑے باقی رہ گئے تھے۔ جس رفتار سے زبان چل رہی تھی اسی رفتار سے پکوڑے بھی مقتل گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ ایک کے بعد ایک۔

''اوہ، لیکن اب اس نے کافی سبق سیکھ لیا ہوگا۔ اس عمر کی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ معصوم، نادان اور ناسمجھ۔'' نادیہ نے اس کے دفاع کی ایک اور کوشش کی۔

''ہاں ظاہر ہے، جب کوئی رشتہ نہیں آیا، کوئی منہ نہیں لگا رہا تو سبق تو سیکھنا ہی تھا۔ اس کی ماں بے چاری نے مجھ سے بہت رشتہ کروانے کو کہا مگر میں نے بھی تو لڑکے والوں کو جواب دینا ہوتا ہے۔ شادی کے بعد پرانے معاشقوں کا کچا چٹھا کھلتا تو میں کیا جواب دیتی۔''

حمیدہ باجی نے ایک بار پھر مصنوعی لاچاری پیدا کر کے خود کو جیسے بے بس ظاہر کیا۔

چٹ پٹے پکوڑوں کے ساتھ چٹ پٹی باتیں، واہ مزہ آ گیا، پیٹ کے ساتھ ساتھ زبان کا چسکا بھی دوبالا ہو گیا تھا۔

کچھ دیر اسی طرح باقی محلے والوں کے نجی معاملات کو اچھالنے کے بعد وہ چلتی بنیں۔ پیچھے نادیہ خاموشی سے گہری سوچ میں پڑی رہ گئیں۔

☆☆☆

''مہرو! مہرو! او مہرو! کدھر ہے تو؟ وے کدھر مر گئی ہے؟'' گھر میں داخل ہوتے ہی حمیدہ نے آواز لگائی۔

''اچھا زید، اماں گھر آ گئی ہیں۔ میں فون رکھتی ہوں۔'' فون چھپا کر وہ الٹے پیروں صحن میں بھاگی۔

''جی اماں۔''

''ماں تیری تھکی ہوئی آئی ہے، ایک گلاس پانی ہی پلا دیا کر۔''

''جی اماں، ابھی لائی۔'' مہرو پانی لینے گئی تو حمیدہ کمرے میں آکر چادر ایک طرف رکھ کر پنکھے کے نیچے کھڑی ہو گئیں۔

''یہ لیں اماں۔'' پانی کا گلاس تھماتے وہ قریب ہی کرسی پر ٹک گئی۔

www.zemtime.com

''تیرے امتحان کب ہو رہے ہیں؟'' پانی پی کر حمیدہ اس کی طرف مڑیں۔

''اگلے مہینے اماں، بس آپ دعا کریں کہ اس بار آسانی سے پاس ہو جاؤں۔''

''ہاں ہاں، پر تو بھی پڑھ لیا کر۔ صرف امتحان میں ہی کتابیں نہیں کھولتے۔'' پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

مہرو بھی مسکرانے لگی۔ جانتی تھی کہ اماں کو کتنی فکر ہوتی ہے۔ ہر بار وہ امتحانات کے قریب ہی کتاب کھولتی تھی اور مارے باندھے پاس ہو ہی جاتی۔

''اور ہاں، یہ تیرا بی اے کا آخری سال ہے۔ اچھے سے امتحان دے۔ اس کے بعد میں تیرے ہاتھ پیلے کروں گی۔ فہمیدہ کتنی ہی بار تاریخ مانگ چکی ہے۔''

یہ سن کر مہرو کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ تصور میں منگیتر اور خالہ زاد ارسلان کا چہرہ گھوما۔ قمیص شلوار میں سیدھا سادہ حلیہ، آنکھوں پر نظر کی عینک، گندمی رنگت اور سنجیدہ گفتگو۔ اف! اب ایسے خشک مزاج بندے کے ساتھ میں زندگی گزاروں۔ نہیں بھئی۔ کبھی نہیں۔ ساتھ ہی چھن کر زید کی تصویر آئی، ہنستا مسکراتا چہرہ، گوری رنگت، خوبصورت نین نقش اور اس پر مستزاد خوبصورت لچھے دار باتیں۔ وہ ہمیشہ اس کی تعریف کے لیے شاہانہ طرز کے اردو الفاظ بولتا۔ یوں لگتا جیسے کوئی بادشاہ اپنی ملکہ کی تعریف کر رہا ہو۔

''کیا سوچنے لگی؟'' حمیدہ نے اسے گھورا۔

''کچھ نہیں اماں۔'' وہ خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

ایک بار پھر دوپہر کے وقت وہ چھت پر موجود تھی۔ دائیں بائیں دیکھ کر احتیاط سے ساتھ والی گھر کی چھت کی طرف آئی۔ زید سامنے ہی کھڑا تھا۔

''کیا ہوا، میری ملکہ آج پریشان کیوں ہے؟'' زید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنے چہرے پر بھرپور تفکر کے اثرات پیدا کیے۔

''زید، دراصل بات ہی کچھ ایسی ہے۔''

''کیا بات ہے؟'' پریشانی سے پوچھتے ہوئے بھی وہ اپنی محبت جتانے سے باز نہیں آیا تھا۔

''دراصل اماں اب پیپروں کے بعد میری شادی کرنے والی ہیں، میں بہت پریشان ہوں، سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔''

''اوہ اچھا! پریشان نہ ہو۔ میں کچھ سوچتا ہوں۔'' بالوں میں ہاتھ کی انگلی چلاتے اس نے پریشان نظریں مہرالنسا کے چہرے پر گاڑ دیں۔ بلاشبہ وہ حسین تھی، بے حد حسین۔

''سوچنے کا وقت نہیں ہے آپ جلدی سے رشتہ بھیجیں ورنہ میری شادی ہو جائے گی ارسلان سے۔''

''میں کیسے رشتہ بھیج سکتا ہوں، مہرو! میری ملکہ! میری بات تو سنو۔'' اس کے روٹھے ہوئے انداز پر زید نے اس کے ہاتھ کی پشت پر انگلی سے اپنا نام لکھتے ہوئے نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں اور یہی وہ لمحہ تھا جب وہ ناراضی بھول کر نظریں جھکا گئی۔

''یہ لڑکیاں بھی ناں، ذرا سا گھورنے پر شرما جاتی ہیں۔ ویسے اچھا طریقہ ہے یہ خاموش کروانے کا۔'' زید کو اس شعبے میں کافی تجربات تھے۔ بچہ تو نہ تھا کہ اپنی بات منوانے کا ہنر بھی نہ آتا۔

''مہر! آپ کو معلوم تو ہے کہ مجھے یہاں پر آئے ایک مہینا بھی پورا نہیں ہوا، بمشکل یہاں چھت پر کرائے کا کمرا ملا ہے اور پھر میں تو نوکری بھی کوئی بہت اچھی نہیں کرتا، گھر بھی بہت دور ہے میرا۔ کون رشتہ دے گا مجھے؟'' بات کے اختتام پر شدت جذبات سے وہ آنکھوں میں آنسو بھی لے آیا۔ ''اور آپ خود سوچو، آپ کا پہلے سے اپنے لائق فائق کزن سے رشتہ طے ہے۔ آپ کی اماں مانیں گی بھی نہیں اور یہ بات جب محلے والوں کو پتا چلے گی تو وہ جو ہمارا حشر کریں گے وہ الگ ہوگا۔''

مہرو تو اس کی باتیں سن کر سکتے میں آ گئی۔ یہ سب اتنا آسان تو نہ تھا جتنا اس نے سمجھا تھا۔

''لیکن میں شادی صرف آپ سے ہی کروں گی، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' انیس سالہ مہرو کی آنکھوں پر گویا محبت کی پٹی بندھ گئی تھی۔

''ہماری شادی نہیں ہو سکتی۔'' زید کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''کیوں نہیں، بس جیسے بھی ہو جائے، آپ کوئی راستہ نکالیں، میں اب آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' مہرو کی آنکھوں سے بھی اشک رواں ہو گئے۔

''اگر آپ راضی ہو تو ایک راستہ ہے ہمارے پاس۔'' زید کی آنکھیں چمکیں۔

''وہ کیا؟''

''کورٹ میرج، اس طرح ہمیں جدا ہونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔''

''لیکن اماں۔''

www.zemtime.com

''کوئی لیکن ویکن نہیں، محبت میں اب ایسی چھوٹی موٹی قربانیاں تو دینی ہی پڑتی ہیں... اور یہیں سے تو محبت کی آزمائش ہوتی ہے۔ اگر آپ مجھ سے محبت کرتی ہو تو یہ قدم تو اٹھانا ہی پڑے گا ورنہ ارسلان سے شادی کر کے ساری زندگی پچھتاؤ گی۔''

''میں سوچ کر جواب دوں گی۔''

''محبت میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ تو سوچے سمجھے بغیر کی اور نبھائی جاتی ہے۔'' ایک بار پھر شاعرانہ انداز میں قدرے تفکر سے اس نے مہرالنساء کو عشق اور محبت کے وہ فلسفے پڑھائے کہ اس وقت اسٹار پلس کے اداکار بھی دیکھتے تو گھٹنے ٹیک کر اسے اپنا استاد مان لیتے۔

اور وہ واقعی میں استاد تھا۔ مہرو کو قائل کر کے ہی دم لیا، ویسے بھی گھر والوں کی توجہ سے محروم کچی عمر کی لڑکیوں کو بے وقوف بنانا کون سا مشکل کام ہے۔

☆☆☆

ٹھیک دو دن بعد رات کے اندھیرے میں مہرو اپنا بوریا بستر اسمیٹ کر گھر سے نکل گئی۔ جاتے جاتے ماں کی طرف ایک نظر دیکھا، آنکھوں میں آنسو آئے مگر پھر زید کا پڑھایا ہوا ''محبت کا فلسفہ'' یاد آیا اور وہ آنسو پونچھتی اپنی اڑھائی ہفتے کی محبت کو ماں کی انیس سالہ محبت پر قربان کرتی چلی گئی۔

صبح حمیدہ کی آنکھ کھلی تو مہرو کو نہ پا کر پریشان ہو گئیں۔ چند آوازیں دیں، پورے گھر میں جھانک کر دیکھا مگر بے سود۔ وہ کہیں بھی نہ تھی۔ پریشانی سے ساتھ والی پڑوسن سے پوچھا۔ اس کی لڑکی سے مہرو کی خوب بنتی تھی، جواب نفی میں ملا، آس پاس کے چند اور گھروں میں پوچھا مگر مہرو لاپتا۔

چند ہی منٹ میں بات جنگل میں آگ کی طرح پورے محلے میں پھیلی، ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کسی نے کہا کہ مہرو بھاگ گئی ہے مگر حمیدہ کو یقین نہ آیا۔ محلے کے ہر فرد کو بلا کر پوچھا گیا مگر مہرو نہ ملی۔

''ارے وہ شیراز بھائی کے مکان کا لونڈا نظر نہیں آ رہا، اسے بلاؤ ذرا۔'' بالآخر زبیدہ کا دھیان اس طرف گیا۔ شیراز بھائی نے اوپر جا کر دیکھا تو لونڈے صاحب سامان سمیت غائب تھے۔

''نہیں میری مہرو نہیں بھاگ سکتی۔'' حمیدہ نے بے آواز آنسوؤں کو پونچھا اور گھر جانے لگیں۔ محلے والے بھی پیچھے آئے۔

''میں نے رات کو دو بندوں کو گلی کے نکڑ سے گزرتے دیکھا تھا، سامان بھی اٹھایا ہوا تھا شاید۔''

''مہرو اکثر چھت پر جاتی رہتی تھی۔''

''میں نے تو اسے اس لونڈے کی موجودگی میں بھی چھت پر جاتے دیکھا۔''

''بے چاری باجی حمیدہ کی تو دنیا ہی لٹ گئی۔'' اس کے کان میں مختلف جملے پڑ رہے تھے مگر وہ چپ تھی۔

آخری اُمید کے طور پر حمیدہ نے الماری کھولی تو مہرو کے کپڑے غائب تھے، سامان بکھرا پڑا تھا اور تو اور سیف میں سے سونے کا سیٹ، منگنی کی انگوٹھی اور کنگن بھی غائب تھے۔

''ہائے میں مر جاواں۔'' وہ نیچے بیٹھتی چلی گئیں مگر بولنے والوں کی زبانیں کون بند کرواتا۔

''برا مت منانا باجی حمیدہ مگر تمہارا دھیان گھر میں ہوتا ہی کب تھا۔ تم صبح کی گئی شام کو لوٹتی تھی، ایسے میں یہی حال ہونا تھا۔''

''دوسروں کی بہن بیٹی کی عزت اچھالنے والی کا یہی انجام ہوتا ہے۔''

''یاد نہیں ہے باجی نے ماہم کا قصہ کتنے چٹخارے لے کر پورے محلے میں پھیلایا تھا۔'' ایک عورت کو پرانی کہانی یاد آئی۔

''اور اپنی بیٹی کے کرتوت دیکھو، منگنی ہونے کے باجود بھاگ گئی، سچ کہتے ہیں خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔'' دوسری نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

آج حمیدہ اتنی بے بس تھیں کہ زبان تالو سے چپک کر رہ گئی تھی، حلق سوکھا ہوا تھا، عجیب اجاڑ حالت تھی مگر لوگوں کو رحم نہیں آ رہا تھا اور آتا بھی کیسے، انہوں نے کبھی کسی پر رحم نہیں کیا تھا تو دوسروں سے کیا توقع۔

ہر سو گویا گھپ اندھیرا تھا۔ آس پاس کئی آوازیں آ رہی تھیں۔

''آئے ہائے، دوسروں کے رشتے طے کروانے والی کی بیٹی نے اپنا رشتہ خود طے کر لیا۔''

ڈھیروں آوازوں میں یہ آواز نمایاں تھی۔ شاید کسی نے باقاعدہ ماتھا پیٹتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے بعد حمیدہ کو ہوش نہ رہا، ان کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا بالکل اپنی بیٹی کی زندگی کی طرح۔

++

www.zemtime.com